عہدِ بنو امیہ میں علمی کارنامے

جناب عبد الرشید عراقی صاحب

خلافتِ راشدہ کے بعد خاندانِ بنو اُمیہ کی حکومت قائم ہوئی۔ اور اس حکومت کا آغاز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصی سلطنت ۴۱ھ میں ہوا۔ اور جس کا اختتام مروان ثانی (م ۱۳۲ھ) پر ہوا۔ اس دور کی مدت حکمرانی ۹۱ سال ہے۔ یہ ۹۱ سالہ دور رنگونا گوں اور متضاد واقعات کا حامل ہے۔ اس دور میں آپ کو ظالم و جابر اور قتل و غارت گری پہ کمربستہ امراء المسلمین بھی نظر آئیں گے۔ اور ایسے امراء المسلمین بھی نظر آئیں گے۔ جن کے تقدس، زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری تاریخِ اسلام میں مسلّم ہے۔ جن کے زہد و اتقاد، علمی تبحر اور فضل و علم کی تعریف میں قلم کی زبان خشک ہو جاتی ہے۔ جن کے عدل و انصاف کے سامنے شاہ و گدا کی تمیز حرفِ غلط کی طرح باطل ہے۔ آپ کو اس ۹۱ سالہ دور میں ایسے حکمران بھی نظر آئیں گے جن کی زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں صرف ہوئی۔ اور ایسے حکمران بھی نظر آئیں گے جنہوں نے مدینۃ الرسول کی بے حرمتی کی۔ اور آپ کو ایسے حکمران بھی ملیں گے جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان کے نذرانے پیش کیے۔ اور ایسے حکمران بھی ملیں گے جنہوں نے کعبۃ اللہ پر منجنیق سے سنگ باری کی۔ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے سر کٹانے والے بھی ملیں گے۔ اور تختِ حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے خونِ مسلم کو پانی کی طرح سے بہانے والوں سے بھی ملاقات ہو گی۔

دینی علوم کی بنیاد عہدِ رسالت میں پڑ چکی تھی۔ اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو چکا تھا۔ لیکن ان کا دائرہ نگارش صرف مذہب تک محدود تھا۔ اور خلافتِ راشدہ

کے عہد میں قرآن مجید کی تدوین کا مقدس کارنامہ سرانجام پایا۔ اور تدوینِ حدیث کے سلسلے میں چند صحابہ کرامؓ نے ارشاداتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ضبطِ تحریر میں لانے کی مہم انجام دی۔ تاریخ میں ایسے مجموعہ ہائے حدیث کے نام ملتے ہیں جو عہدِ صحابہ کرام میں ضبطِ تحریر میں آئے۔

خلافتِ راشدہ کے بعد بنی اُمیّہ کا دَور شروع ہوتا ہے۔ اور اموی دَور میں تابعین اور تبع تابعین کے مقدس وجود کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایمانی قوت، دینی حمیت، مذہبی و اخلاقی رُوح اور علمی و عملی خدمتوں کے اعتبار سے اسلام کے خیر القرون کے تین دَور ہیں:

صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین

اِن ہی تینوں اَدوار میں مسلمان دینی اور دُنیوی سعادت و فلاح کی معراج کمال کو پہنچے۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام ہی دین کا سرچشمہ تھے۔ یہ مقدس گروہ علم و عمل میں صحابہ کرام کا عکس تھا۔ اسی گروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور صحابہ کرام کی علمی اور اخلاقی وراثت کو مسلمانوں میں پھیلایا۔ شخصی حکومت کے قیام سے اسلامی نظام میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ان کی اصلاح کی۔ مذہبی علوم کی حفاظت و اشاعت کے لیے نئے علوم کی بنیاد رکھی۔ اسلام کی اشاعت کی۔ اور اس کی ترقی و ترویج میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

تابعین کے بعد تبع تابعین کا دَور آتا ہے۔ اس مبارک عہد میں بھی اسلام کی ترقی و ترویج کے لیے بہت کام ہوا۔ اور حضرات تبع تابعین جو تابعین کرام کے جانشین تھے، انہوں نے بھی اپنی جانشینی کا پورا حق ادا کیا۔ اور تبع تابعین کے دَور کے تمام بڑے بڑے ائمہ کرام جن کے فیض سے آج مذہبی علوم زندہ ہیں، سب تابعین کے حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے۔

تابعین اور تبع تابعین کا مشترک اور اہم کارنامہ دینی علوم کی، جس پر مذہبِ اسلام کا دارومدار ہے حفاظت و اشاعت اور قرآن و حدیث سے متفرع علوم کی تاسیس ہے۔ اگر ان بزرگوں نے جانکاہ تکلیفیں اٹھا کر اس خزانہ کو محفوظ نہ کیا ہوتا تو اس کا بڑا حصّہ برباد ہو جاتا۔

اموی دَور میں اسلامی علوم و فنون میں بہت وسعت اور ترقی ہوئی۔ تابعین عظام جو اموی دَور کے رُوحِ رواں تھے۔ انہوں نے دینی علوم کی اشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ اور بڑے بڑے ائمہ کرام اور محدثین عظام اسی دور میں پیدا ہوئے۔

تفسیر تفسیر قرآن کی ابتداء نزولِ قرآن کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ پھر اس میں برابر وسعت ہوتی گئی۔ اموی دور میں بڑے بڑے ائمہ کرام پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں بہت علمی کارنامے سرانجام دیئے۔ طبقہ تابعین میں تفسیر قرآن کے جاننے والوں میں زیادہ تر حضرات ہیں۔ اور یہ سب ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد تھے۔ مثلاً عکرمہ، قتادہ، سعد بن جبیرؒ اور حسن بصری۔ ان حضرات کو اموی دور کے مفسرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ تفسیری روایات کا دارومدار زیادہ تر انہی بزرگوں کی روایات پر ہے۔ یہ دور تفسیری تصنیفات کا نہیں بلکہ تفسیر قرآن، ان کی تشریح و تفصیل اور علمی تحقیق کا تھا۔ اسی دور میں حضرت سفیان بن عینیہ (م ۱۹۸ھ) اور حضرت وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ) کے نام بھی ملتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات تبع تابعین کے مقدس گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان حضرات نے اپنی دینی بصیرت سے ایسی شمع روشن کر دی تھی، جس نے بعد کے مفسرین کرام کے لیے آسانی پیدا کر دی۔ حضرت سفیان بن عیینہ اور حضرت وکیع بن الجراح کے علاوہ حضرت امام شعبہ (م ۱۶۰ھ) اور حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) کے نام بھی ملتے ہیں۔ جنہوں نے قرآن کریم کی تفسیر و تشریح میں حصہ لیا۔ اس عہد میں آج کل کی تفسیروں کی طرح پورے قرآن مجید کی تفسیر تو مرتب نہ ہو سکی۔ بلکہ متفرق آیات کی تفسیری روایات جمع کی گئیں۔

حدیث اس عہد میں حدیث کی تدوین و ترتیب اور اس کی نقل و روایت کا جتنا کام ہوا۔ وہ دوسری صدی ہجری میں نہیں ہوا۔ حضرت امیر معاویہؓ خود ایک صحابی تھے۔ آپ کے دورِ سلطنت میں بکثرت صحابہ کرام موجود تھے۔ جو اپنے سینوں میں دینی علوم کا عظیم سرمایہ محفوظ رکھتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں حدیث کے عظیم ستون اور محافظ موجود تھے۔ حضرت مجاہد (م ۱۰۳ھ) حضرت عطا بن رباح (م ۱۱۴ھ) حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس (م ۱۰۵ھ) حضرت طاؤس بن کیسان (م ۱۰۶ھ) یہ سب حضرات عبداللہ ابن عباسؓ کے تلامذہ میں سے تھے۔ اور یہ سب حضرات اپنے علمی تبحر اور فضل و کمال کے لحاظ سے ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔

مدینہ طیبہ علماء و فضلاء کا مخزن تھا۔ عہد نبوی سے لے کر حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے تک ساری دنیائے اسلام کا مرکز یہی تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ مدینہ مشرفہ در زمانِ او بیشتر از زمان متاخر بلاشبہ مرجعِ فضلاء و محط رجال علماء بودہ است[1]

جاننا چاہیے کہ مدینہ طیبہ اخیر دَور سے پہلے بلا شبہ فضلا کا مرجع اور اہلِ علم کا فرودگاہ تھا۔ البتہ امام مالکؒ کے طبقہ کے بعد وہاں علمی انحطاط آگیا تھا۔

امام ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) احادیث کی تلاش و جستجو میں مدینہ کی گلیوں کا چکر لگاتے۔ اور ہر مرد، عورت اور جوان سے استفادہ کرتے تھے[2] امام مکحول نے حدیث کی تلاش و جستجو میں بہت سے ممالک کے سفر کیے اور تابعین نے حدیث کی تلاش و جستجو میں جو کوششیں کیں، اسماء الرجال کی کتابوں میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ ہر گھر اور ہر مسجد سے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی دیتی تھی۔

امام مالک مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوئے۔ مدینہ ہی میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ حضرت نافع (م ۱۱۷ھ) جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے تلمیذ رشید تھے اور کامل ۳۰ سال تک حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں گزارے تھے۔ ان سے استفادہ کیا اور ۱۲ سال حضرت امام مالکؒ حضرت نافع کی خدمت میں رہے۔ اور حضرت نافع کی وفات کے بعد حضرت امام مالک ان کے جانشین ہوئے۔

مدینہ کے بعد کوفہ کا نام آتا ہے جو اسلام کی وسعت و تمدن کا دیباچہ تھا۔ حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم نبوت کے تین مراکز تھے۔ مکہ، مدینہ اور کوفہ۔ مکہ معظمہ کے صدر معلم حضرت ابن عباسؓ تھے۔ اور مدینہ طیبہ کے

---

[1] مصفی شرح موطا امام مالکؒ۔ [2] مسند دارمی ص ۴۷۔

حضرت ابن عمرؓ اور کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے[1]

حضرت علیؓ نے اس شہر کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ اور کوفہ عہد فاروقی میں قرآن و سنت کا مرکز بن چکا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اکثر تلامذہ نے یہاں اسلام کی شمع روشن کر رکھی تھی۔

بنی امیہ کے دور میں جس طرح ارباب علم و فضل نے تفسیر پر قلم نہیں اٹھایا۔ اسی طرح حدیث پر بھی قلم نہیں اٹھایا۔ بلکہ محض روایات کو دوسروں تک پہنچایا۔ اور درس و تدریس کے ذریعے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کی۔ اور ان کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) عین کے دور کو خلافت راشدہ کا دور کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وتوسطھم عمر بن عبد العزیز فنزع الی طریقۃ الخلفاء الاربعۃ والصحابۃ جھدہٗ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز مروانی سلسلہ کی درمیانی کڑی تھے۔ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کی طرف مبذول کی۔

موطا، بخاری، مسلم اور حدیث کی دوسری کتابیں جو احادیث صحیحہ کا بہترین مجموعہ ہیں۔ اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو علم حدیث کا یہ ذخیرہ وجود میں نہ آتا۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ انقضائے زمانہ کے ساتھ علمائے کرام کا گروہ روز بروز مٹتا جارہا ہے۔ اور اس کے ساتھ علوم شرعیہ کے مٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے۔ اس لیے انہوں نے قاضی ابوبکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا:

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا یقبل

---

[1] اعلام الموقعین۔

الاحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔[۱]

احادیثِ نبویہ کی تلاش کر کے ان کو لو۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا خوف معلوم ہوتا ہے۔ اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول کی جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حکم صرف مدینہ اور مدینہ کے گورنر کے لیے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے یہ فرمان تمام صوبوں کے گورنروں کے نام بھیجا تھا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں!

کتب عمر بن عبد العزیز الی الآفاق انظروا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تمام گورنروں کے نام یہ پیغام بھیجا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا جائے۔

بہرحال حضرت عمر بن العزیز کے اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور جمع شدہ احادیث کے متعلق تمام مجموعے تیار کیے گئے۔ اور اس کے بعد تمام ممالک محروسہ میں ان کو تقسیم کیا گیا۔ علامہ ابن عبد البر قرطبی (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ سعد ابن ابراہیم نے روایت کیا ہے۔

امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیہا سلطان دفترا ۔[۲]

ہم کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جمع حدیث کا حکم دیا اور ہم نے دفتر کی دفتر حدیثیں لکھیں۔ اور انہوں نے ایک مجموعہ ہر جگہ جہاں جہاں ان کی حکومت تھی بھیجا۔

بعض مؤرخین نے یہ صراحت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (م ۱۰۱ھ) سے پہلے حضرت امام ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے تدوینِ حدیث کا کام شروع کیا تھا۔

---

[۱] بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم۔

[۲] جامع بیان العلم ص ۳۸۔

فقہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا کام یہ تھا کہ دوسرے علوم کی اشاعت و ترویج کی جائے۔ اکثر تابعین و تبع تابعین میں اکثر علمائے کرام بیک وقت مفسر بھی تھے، محدث بھی اور فقیہ بھی۔ جو بزرگ محدث تھے انہوں نے حدیث کی خدمت انجام دی اور وہی فقیہ بھی تھے اور انہی کے ذریعہ فقہ کی خدمت بھی انجام پائی۔ مدینہ میں حضرت سعید بن المسیب (م ۹۴ھ)، عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود (م ۹۸ھ)، عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ) قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۸ھ) ابوبکر بن عبد الرحمان بن حارث (م ۹۴ھ)، سلیمان بن لیسار (م ۱۰۹ھ)، خارجہ بن زید (م ۱۰۹ھ) یہ سب حضرات اپنے زمانہ میں علم فقہ وحدیث کے مرجع تھے۔ ان کا متفقہ فیصلہ مدینہ کی عدالت کا حکم فقہی تسلیم ہوتا تھا۔[1]

کوفہ میں ابراہیم نخعی (م ۹۵ھ) اسود بن زید (م ۷۵ھ) علقمہ بن قیس (م ۱۰۲ھ) ابن ابی مسلم خراسانی (م ۱۲۹ھ)، محمد بن کعب (م ۱۱۷ھ) ایسے صاحب علم وفضل و ارباب کمال کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ غرض کہ اس دور میں ہر طرف علوم دینی کا فروغ تھا۔

حدیث کے بعد فقہ اور دوسرے اسلامی علوم کی نشر و اشاعت میں بھی حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) نے دلچسپی لی۔ چنانچہ آپ نے گورنر مدینہ قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا اور ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔

ولیفشوا العلم ویجلسوا حتیٰ یعلم من لا یعلم فان العلم لا یهلك حتیٰ یكون سرا۔[2]

لوگوں کو چاہیے کہ عام طور پر علم کی اشاعت کریں اور تعلیم کے لیے حلقۂ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا جب تک کہ وہ مخفی نہ رکھا جائے۔

ایک اور گورنر کے نام خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ:

اما بعد فامر اهل العلم ان ینشروا العلم فی مساجدهم

---

[1] الجواہر المضیہ جلد ۲ ص ۴۲۱۔

[2] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ابن جوزی (م ۵۹۷ھ)

فان السنة كانت قد اميتت[1]

اہلِ علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں۔ کیوں کہ سنّت بے جان یعنی مرچکی ہے۔

جو لوگ اس مقدس کام میں مصروف ہوتے۔ ان کو فکرِ معاش و ضروریاتِ زندگی سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ چنانچہ گورنر حمص کے نام ایک خط میں لکھا،

انظروا الى القوم الذين نصبوا انفسهم للفقه وحبسوها فى المسجد عن طلب الدنيا فاعط كل رجل منهم مائة دينار يستعينون بها على ماهم عليه من بيت مال المسلمين حين ياتيك كتابى هذا[2]

جن لوگوں نے دُنیا چھوڑ کر اپنے آپ کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ان میں ہر ایک کو جس وقت میرا خط پہنچے، بیت المال سے سَو دینار دو تاکہ وہ لوگ اس حالت کو قائم رکھ سکیں۔

افتاء کا محکمہ گو ...... خلافتِ راشدہ کے عہد میں وجود میں آچکا تھا۔ حافظ ابن القیم (م ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں،

فتویٰ دینے میں صحابہ کرامؓ کے تین طبقے ہیں:

مکثرین۔ جن سے بکثرت فتاویٰ منقول ہیں۔

متوسطین۔ اس طبقہ سے فتاویٰ کثرت سے منقول نہیں ہیں۔ البتہ ایک معتدبہ تعداد اس طبقے سے ہم تک پہنچی ہے۔

مقلین۔ جن سے بہت کم تعداد میں فتاویٰ مروی ہیں۔

مکثرین کی تعداد سات ہے اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ عمر بن خطابؓ (۲) علی بن ابی طالبؓ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) ص ۹۴۔

[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۵۔

۳۔ عبداللہ بن مسعودؓ ۴۔ ام المومنین عائشہؓ (۵) زید بن ثابتؓ (۶) عبداللہ بن عباسؓ۔
۷۔ عبداللہ بن عمرؓ۔

متوسطین طبقہ میں درج ذیل صحابہ کرام شمار کیے جا سکتے ہیں۔
۱۔ ابوبکر صدیقؓ ۲۔ ام سلمہؓ ۳۔ انس بن مالکؓ۔ ۴۔ ابوسعید خدریؓ ۵۔ ابوہریرہؓ
۶۔ عثمان بن عفانؓ۔ ۷۔ سعد بن ابی وقاصؓ ۸۔ سلمان فارسیؓ ۹۔ جابر بن عبداللہؓ
۱۰۔ معاذ بن جبلؓ ۱۱۔ طلحہؓ ۱۲۔ زبیر بن العوامؓ ۱۳۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔
۱۴۔ عمران بن حصینؓ ۱۵۔ عبادہ بن الصامتؓ ۱۶۔ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔

مذکورہ بالا صحابہ کرامؓ کے علاوہ باقی صحابہ کرام کا شمار مقلین (طبقہ ثالثہ) میں ہے اور ان میں ایسے صحابہ کرام بھی شامل ہیں جن سے صرف ایک یا دو فتاوی منقول ہیں[۱]۔

بنو امیہ کے دور میں محکمہ افتاء میں وسعت پیدا ہوئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے مختصر دورِ حکومت میں اس طرف خاص توجہ کی اور آپ نے افتاء کے سلسلے میں ان لوگوں کو مقرر کیا جو اس کے اہل تھے۔ مثلاً مصر میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن ابی حبیب کو افتاء کے لیے مقرر کیا۔ یزید بن ابی حبیب نے مصر میں فقہ و حدیث کی تعلیم کو عام کیا اور اہلِ مصر کو اس سے روشناس کرایا۔ علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

هو اول من اظهر العلم بمصر والمسائل فى الحلال والحرام وقبل ذالك كانوا يتحدثون فى الترغيب والملاحم والفتن وهو احد ثلاثة جعل اليهم عمر بن عبد العزيز الفتيا۔[۲]

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصر میں علم کو ظاہر کیا اور حلال و حرام کے مسائل کو رواج دیا۔ وہاں کے لوگ اس سے پہلے صرف ترغیب اور جنگ وغیرہ کے متعلق روایت کرتے تھے۔ وہ ان تین اشخاص میں ہیں جن کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز نے افتاء کی خدمت کی تھی۔

۱۔ اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۵۸ ۲۔ حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۱۲۰۔

مغازی وسیرت اسی دور میں تاریخ کا آغاز ہوا۔ اور اس کی ابتدا مغازی اور سیرت سے ہوئی۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ انہی دونوں سے عبارت ہے۔ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں ان کے علماء موجود تھے۔ کشف الظنون کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مغازی اور سیرت پر سب سے پہلی کتاب عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ) نے لکھی تھی[1] حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خاص طور پر اس طرف توجہ کی۔ اور عاصم بن عمر بن قتادہ جو مغازی اور سیرت میں کمال رکھتے تھے، ان کو حکم دیا کہ وہ مسجد دمشق میں مغازی پر درس دیں[2]۔

اموی دور میں تفسیر، حدیث، فقہ اور مغازی وسیرت کے علاوہ دوسرے علوم کی طرف بھی خاص توجہ کی گئی۔ انساب عربوں کا پرانا علم تھا، جو ہر زمانہ میں قائم رہا۔ اور بنی امیہ کو عربیت کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ اور ان کی حکومت کے استحکام میں قبائلی عصبیت کو بڑا دخل تھا۔ اس لیے انہوں نے انساب کی طرف خاص توجہ کی۔ امام محمد بن سیرین، سعید بن مسیب اور محمد بن سائب کلبی علم انساب کے بہت بڑے ماہر تھے اور آئندہ علم الانساب نے جو ترقی کی اس کا بڑا ماخذ انہی کی روایات تھیں۔

علم لغت کی بنیاد خلفائے راشدین ہی کے زمانے میں پڑ چکی تھی۔ لیکن اس کی علمی تدوین اور اس کی ترقی و ترویج اموی دور میں شروع ہوئی۔ جمہور علماء کرام کا قول ہے کہ علم لغت کے جانے بغیر کتاب اللہ کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے[3]۔ اسی دور کے دو بڑے امام لغت تھے۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی (م ۱۱۷ھ) اور ابوعمرو بن العلاء (م ۱۵۴ھ)۔ ابوعمرو نے زبان و لغت کی تحصیل کے لیے برسوں صحرائے عرب کی خاک چھانی تھی۔ اور اس کے متعلق بہت قیمتی مواد فراہم کیا[4]۔ قتادہ، اشعار، انساب و لغت میں بہت وسیع علم رکھتے تھے اور اموی خلفاء ان فنون کی تحقیق کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے[5]۔

---

[1] کشف الظنون جلد ۳ ص ۴۰۰

[2] تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ۔

[3] الاتقان فی علوم القرآن للسیوطیؒ۔

[4] تاریخ ابن خلکان تذکرہ ابوعمرو و معجم الادباء جلد ۴ ص ۱۲۔

[5] معجم الادباء جلد ۶ ص ۲۰۲

علم نحو کی ابتداء بھی خلافتِ راشدہ کے عہد میں ہو چکی تھی۔ اور حضرت علی بن ابی طالب کی ہدایت پر اُن کے شاگرد ابوالاسود نے اس کے چند اصولی قواعد مرتب کیے تھے۔ لیکن اموی دور میں اس فن کی خوب ترقی و ترویج ہوئی۔ اور عیسیٰ بن عمرو ثقفی (م ۱۴۷ھ) نے اس فن پر دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک کتاب الجامع اور دوسری کتاب المکمل[1]۔ اسی دور میں قرآن مجید معری تھا۔ اہل عرب اس کو بغیر اعراب کے پڑھ لیتے تھے۔ مگر جب عجمی قومیں مسلمان ہوئیں تو یہ لوگ پڑھنے میں غلطی کرتے تھے تو اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے قرآن مجید پر اعراب اور نقطے لگوائے[2]۔

عربی اور دینی علوم کے علاوہ غیر قوموں کے علوم کے تراجم کا آغاز بھی اموی دور میں ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے غیر قوموں کے مفید علوم کی اشاعت کی طرف توجہ کی۔ مروان بن حکم کے زمانہ میں ایک یونانی حکیم ایرن القس کی ایک مشہور کتاب تھی، جس کا ترجمہ عربی زبان میں ایک اسرائیلی طبیب ماسرجویہ نے عربی زبان میں کیا تھا۔ اور اس کا نسخہ شاہی کتب خانہ میں موجود تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کتاب کو عام فائدہ کے لیے شائع کیا[3]۔

بنو امیہ کے دور میں لوگوں کے پاس ذاتی کتب خانے بھی تھے۔ امام حسن بصریؒ، ابو قلابہؒ، اور ابن شہاب زہری کے پاس کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا۔ امام زہری جب گھر میں مطالعہ کے لیے بیٹھتے تو ارد گرد کتابوں کا ڈھیر ہوتا اور دُنیا وما فیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ ان کی بیوی کہا کرتی تھی کہ ان کتابوں کا "جلاپا" تین سوتوں سے بڑھ کر ہے[4]۔ شاہی کتب خانہ بھی تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یونانی حکیم ایرن القس کی قرابادین شاہی کتب خانہ سے لے کر شائع کی تھی۔

اموی دور میں علوم اسلامی کی جو اشاعت ہوئی اور اس سلسلہ میں اموی حکمرانوں نے جو دلچسپی لی اُس کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اس دور میں علومِ اسلامی نے خوب ترقی کی۔

---

[1] فہرست ابن ندیم ص ۶۲ — [2] ایضاً

[3] اخبار الحکماء ص ۲۱۳ — [4] ابن خلکان جلد ۱ ص ۴۵۱۔